

کہ طبعی عرصہٴ حیات ۱۱۵ برس ہو سکتا ہے بشرطیکہ انسان کو طبعی اور جذباتی "تہک جسم" سے محفوظ رکھا جاسکے۔

جامعہ کولمبیا کے ڈاکٹر ہنری سمس نے حساب لگایا ہے کہ اگر جسم انسانی میں مرض کا مقابلہ کرنے اور بدل مائیکل کی وہ قوت باقی رہے جو بچپن کی عمر میں اس کو حاصل ہوتی ہے تو اس کی مدت حیات ۸۰۰ برس تک ممتد ہو سکتی ہے اور بعض افراد ۲۲۰ ہزار برس تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

موت کی نوعیت پر یہ "تحقیق ایبق" تو جاری رہے گی لیکن ہم اس امر سے صرف نظر نہیں کر سکتے کہ اس کرۂ ارضی پر رہنے والوں میں سے اکثر کے لئے سوال یہ نہیں ہے کہ وہ صدیوں تک زندہ رہ سکیں یا نہیں بلکہ بڑا سوال یہی ہے کہ وہ 'کل' بھی زندہ رہیں گے یا نہیں۔

امریکہ کے ایک محکمہ نے ۱۹۵۰ء میں یہ رپورٹ شایع کی تھی کہ مصر اور ہندوستان جیسے ملکوں میں اوسط عرصہٴ حیات کوئی ۳۰ برس ہے۔ ان ملکوں میں ۴۴ فی صد بچے ۱۵ برس کی عمر کو پہنچتے ہیں اور عظیم معاشی پیدا آوری کے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ان ۵۴ میں سے صرف پندرہ کام کے قابل رہتے ہیں باقی یا تو مر جاتے ہیں یا پھر بے کار ہو جاتے ہیں حالانکہ کام کا جی زندگی ۶۰ برس تک مانی جاتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں جو صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ہیں ۹۲ فی صد بچے ۱۵ برس کی عمر کو پہنچتے ہیں۔ ان میں سے ۶۰ بچے ۶۰ برس کی کام کا جی مدت تک پہنچتے ہیں۔

شرحِ اموات کو گھٹانا ضروری ہے کیونکہ آبادی میں اضافہ سے پیدا آوری میں بھی اضافہ ہوگا۔

عالمی ادارہٴ صحت (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) کا کہنا ہے کہ معاشی اور معاشرتی اصلاح کے ساتھ انسانوں کی زندگیاں زیادہ پر لطف اور طویل ہوں گی۔ ان کو زندگی کا بھر پور حصہ ملے گا اور ناچینرپیرامیسیم کا مطالعہ انسان کو "بقا" عطا کر دے گا۔